کامیاب نصیحت

مائل خیرآبادی

کہانی چلتی رہی

ایک تھا بادشاہ، کہانیوں کا بڑا شوقین۔ روزانہ رات کو کہانی سنتا۔ کہانی سننے کے شوق میں وہ یہ بھی پروا نہ کرتا تھا کہ کہانی سچّی ہے یا جھوٹی۔ خوشامدی لوگ آتے، اسے چھوٹی چھوٹی کہانیاں سناتے اور انعام پاتے۔

ایک بار اسے نئی سوجھی۔ اس نے کہانی سنانے والوں سے کہا کہ اب میں ایسی کہانی سنوں گا جو اس وقت تک ختم نہ ہو۔ جب تک میں اُسے ختم کرنے کو نہ کہوں اور جو کوئی ایسی کہانی سنائے میں اُسے اپنی آدھی سلطنت دے دوں گا۔ لیکن اگر کہانی سنانے والے کی کہانی میرے حکم دینے سے پہلے ختم ہوگئی تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔

بادشاہ کی یہ بات سن کر تم ضرور اپنے دل میں ہنس پڑے ہو

گے۔ ہے بھی تو بڑی بے وقوفی کی بات۔ مگر بھئی پہلے بادشاہ ایسے ہی ہوتے تھے۔

بادشاہ کی بات سن کر کہانی سنانے والوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بلا کسی محنت کے یوں ہی آدھی سلطنت مل جانا کچھ کم نہ تھا۔ مگر ڈر یہ لگتا تھا کہ معلوم نہیں بادشاہ کب تک کہانی سنتا رہے اور اگر کہیں اس کے حکم دینے سے پہلے کہانی ختم ہو جائے تو ناحق جان بھی جائے۔

تم جانو لالچ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ ایک صاحب جنھیں ہزاروں جھوٹی کہانیاں یاد تھیں۔ آگے بڑھے اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میں ایسی کہانی سنانے کو تیار ہوں اور مجھے بادشاہ کی شرط بھی منظور ہے۔

بادشاہ کہانی سننے کے لئے تیار ہو گیا اور جمعہ کے دن صبح سے کہانی شروع ہوئی۔

کہانی کہتے کہتے صبح سے شام ہو گئی۔ لیکن کہانی ختم نہ ہوئی۔

رات ہوگئی۔ کہانی چلتی رہی۔ سنانے والے کو امید تھی کہ بادشاہ رات کو ضرور کہانی ختم کرا دے گا۔ نہیں تو سوئے گا کیسے؟ مگر بادشاہ بھی بلا کا آدمی تھا۔ ساری رات کہانی سنتا رہا۔ صبح ہوگئی اور اب قصّہ کہنے والے کے ہوش اڑ گئے۔ لگے کہانی ختم ہو رہی تھی اور اسے اپنی زندگی ختم ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ سورج نکلتے نکلتے کہانی ختم ہو گئی۔ اور اس بیچارے قصہ کہنے والے کی گردن ماردی گئی۔

بڑے ظالم ہوتے تھے یہ بادشاہ۔ خدا کو بھولے ہوئے اپنی موت سے بے خبر اور آخرت کی پکڑ سے بے پروا۔ قصہ کہنے والے کی جان لے کر اسے کچھ بھی دکھ نہ ہوا۔

کچھ دنوں تک کسی بڑے سے بڑے قصہ اور کہانی کہنے والے کو کہانی کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر کچھ دنوں بعد ایک دوسرا لالچی پھنسا۔ وہ بڑی ہمت کر کے آیا تھا۔ اس نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مجھے کہانی سنانے کا موقع دیجئے۔ مجھے کہانی سنانے کی شرطیں منظور ہیں۔

کہانی پیر کے دن صبح سے شروع ہوئی۔ ساری رات جاری

رہی ، منگل کا دن بھی یوں ہی گذرا اور دوسری رات ہونے کو آئی۔
بادشاہ جما رہا اور کہانی سنتا رہا۔

بدھ کے دن کا سورج اونچا ہو گیا۔ دوسرے قصّہ کہنے والے کی کہانی جاری رہی۔ اب تو قصّہ کہنے والے کا بُرا حال تھا۔ منھ سے بات نہ نکلتی تھی۔ موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ لالچ نے کہیں کا نہ رکھا تھا۔ بادشاہ جما ہوا تھا۔ اور برابر کہانی سن رہا تھا۔ آخر رات کے ۱۲ بجے کہانی کہنے والے کی کہانی ختم ہو گئی اور اس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

کیسا ظالم تھا وہ بادشاہ اور کیسے بے وقوف تھے اُسے کہانی سنانے والے۔

بادشاہ کے ظلم کا دُور دُور چرچا ہو گیا۔ بہت سے بھلے آدمیوں کو بڑا دکھ ہوا۔ مگر کیا کرتے بے چارے مجبور تھے۔ آخر ایک اللہ کے بندے نے یہ طے کیا کہ وہ بادشاہ کو اس کی حرکتوں کا مزا چکھائے گا اور اسے ایسی کہانی سنائے گا جو کبھی ختم ہی نہ ہو اور بادشاہ کو مجبور ہو کر

کہانی ختم کرانی پڑے اور آدھی سلطنت اس کے حوالے کرنا پڑے۔

یہ شخص بستی میں بڑا نیک مشہور تھا۔ جب اس نے بادشاہ کو کہانی سنانے کا ارادہ کیا تو سب نے منع کیا اور کہا کہ کیوں ناحق جان دیتے ہو۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہانی سنانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی کہانی بھی جمعہ کے دن صبح سے شروع ہوئی۔

نیک آدمی نے جمعہ کے دن اپنی کہانی یوں شروع کی:

ایک راجہ نے اِک بہت ہی بڑا
خوب پختہ مکان بنوایا
اس میں چھت تک اناج بھروا کے
بند کروا دیئے تھے دروازے
پر کھلی رہ گئی کہیں کھڑکی
جس سے چڑیا ذرا سی اک آئی
اس نے دیکھا اِدھر اُدھر مڑ کے
لے کے اِک دانہ اڑ گئی پھُر سے

چڑیا آئی اِک اور بھی پھِر سے
لے کے اِک دانہ اُڑ گئی پھُر سے

سن کے یہ مسکرا دیا راجہ
بولا ''میں بھی یہی سمجھتا تھا''

اور کہنے لگا ''کہو آگے''
آدمی پھر لگا یوں ہی کہنے

چڑیا آئی اِک اور بھی پھِر سے
لے کے دانہ اڑ گئی پھُر سے

چڑیا آئی اِک اور بھی پھِر سے
لے کے دانہ اڑ گئی پھُر سے

سن کے پھِر پھُر کہا یہ راجہ نے
''ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! کہو آگے''

آدمی نے کہا ''حضور ابھی
یہ کہانی ہوئی ہے کتنی سی؟

چڑیا آئی اِک اور بھی پھِر سے
لے کے اِک دانہ اُڑ گئی پھُر سے

راجہ پھِر پھُر یہ سن کے جھلاّیا
اب کی غصّے میں آ گے اس نے کہا

''تم تو بس کان کھائے جاتے ہو
آگے قصّہ نہیں سناتے ہو''

آدمی نے یہ عرض کی اس سے
ابھی دس پانچ ہی گئے دانے

ابھی غلہ بھَرا پڑا ہے حضور!
ابھی قصہ بہت بڑا ہے حضور!

چڑیا آئی اِک اور بھی پھِر سے
لے کے دانہ اڑ گئی پھُر سے

اب تو راجہ بپھر کے بول اٹھا
چپ رہو! اب میں سن نہیں سکتا

نیک آدمی نے کہا:

''تو کیا حضور ختم کر دوں کہانی؟ ابھی تو کوئی چھٹانک بھر دانے ہوں گے، پورا مکان بھرا پڑا ہے۔''

''ہاں ہاں! ختم کرو کہانی، ختم کرو نہیں تو میرا دماغ خراب ہو جائے گا، لے لو آدھی سلطنت، میں تم سے بھر پایا۔''

نیک آدمی نے آدھی سلطنت پر قبضہ کیا اور اس سے پہلے جو دو آدمی کہانی سنانے میں مارے گئے تھے، ان کے بیوی بچّوں کو بہت سا مال دیا۔ یہ نیک آدمی اللہ سے ڈرتا تھا۔ بڑا رَحم دل تھا۔ اِس نے اتنی اچھی طرح سلطنت کی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

انھیں اب معلوم ہوا کہ نیکوں کی حکومت اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہوتی ہے۔ اس کی حکومت میں نیکیوں کو پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔ تم نے سنا ہو گا ''راجہ کو دیکھ کر پرجا بھی رنگ بدلتی ہے۔'' اس ملک کے لوگ بھی نیک ہونے لگے۔ وہ سچ بولنے

لگے۔ ناپ تول میں بے ایمانی چھوڑ دی۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے لگے۔ اللہ کے حکموں پر چلنے لگے۔

رفتہ رفتہ اِن کی نیکیوں کا اثر پھیلنے لگا۔ اِن کے ملک میں لوگ امن اور خوشی کے ساتھ رہنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر باقی آدھے ملک کے لوگوں نے بغاوت کردی اور اپنے ظالم بادشاہ کا کام تمام کر دیا اور اسی نیک آدمی کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ اب پورا ملک ایک ہی ہو گیا۔ ہر طرف نیکیوں کا چرچا تھا اور حکومت کا انتظام بھلے لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

ہپّو میاں

(۱)

ہپّو میاں تو اللہ کو پیارے ہو چکے۔ لیکن ان کی باتیں ہر چھوٹا بڑا اب بھی کرتا ہے۔ میں نے لوگوں سے بہت پوچھا، لیکن ہپّو میاں کا اصلی نام معلوم نہ ہو سکا۔ ہاں، ان کی باتیں بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ جس جگہ دس پانچ آدمی بیٹھتے ہیں۔ وہاں ہپّو میاں کی کوئی نہ کوئی اچھی یا بُری بات ضرور چھڑ جاتی ہے۔ میں نے ہپّو میاں کے بارے میں بیسیوں قصے سنے ہیں۔ ان کی اچھی یا بُری دونوں طرح کی باتوں میں کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور ہوتی ہے۔

ان کے حالات مزے دار بھی ہیں اور نصیحت والے بھی۔

سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ ہپّو میاں کا یہ نام کیسے پڑا۔ ان کا یہ نام پڑنے کے بارے میں لوگ یوں بتاتے

ہیں کہ ہپّو میاں جب بالکل چھوٹے تھے، کوئی سال ڈیڑھ سال کے۔ تو سب سے زیادہ دل چسپی انھیں کھانے سے تھی۔ جہاں کوئی چیز کھانے کی دیکھتے تو ہپّا ہپّا کہہ کر شور مچانے لگتے۔ پھر جب ان کی امّی کھانا یا کوئی چیز کھلاتیں تو خوب مزے سے ہپ ہپ کر کے کھاتے۔ ان کے ہپّا ہپّا رٹنے سے سب سے پہلے ان کے گھر والوں نے انھیں ہپّو میاں کہنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ انھیں ہپّو میاں کہنے لگے۔

ہپّو میاں بڑے ہوئے تو ایک بار برسات کے دنوں میں جامن کھانے گئے۔ ایک باغ میں پہنچے۔ باغ میں جامن کا ایک پیڑ تھا۔ پیڑ بالکل کنارے پر تھا۔ اس پیڑ کی شاخیں باغ کے پاس ایک تالاب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس پیڑ میں بڑی اور رسیلی جامنیں لگی ہوئی تھیں۔ ان جامنوں کو دیکھ کر ہپّو میاں کے منھ میں پانی بھر آیا۔ پھر کیا تھا ہپّو میاں اسی پیڑ پر چڑھ گئے۔ جس طرف کالی کالی اور رسیلی جامنوں کے گچھے دیکھتے۔ اسی طرف بڑھ جاتے اسی طرح دھیرے دھیرے اس شاخ تک جا پہنچے۔ جو

ٹھیک تالاب پر تھی۔ برسات میں پانی پڑنے سے جامن کی شاخوں کی جڑ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور اس پر زیادہ زور پڑتا ہے۔ تو ٹوٹ جاتی ہے۔ اس شاخ پر پہنچ کر ہپّو میاں نے جامنوں کا ایک گچھا دیکھا، وہ اور آگے بڑھے، گچھے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

شاخ ان کا بوجھ سنبھال نہ سکی۔ پہلے تو وہ لچکی، پھر چَر چَرائی اور پھر یک دم پیڑ سے الگ ہو گئی۔ ہپّو میاں تالاب میں گرے تیرنا اچھی طرح آتا نہیں تھا۔ پانی میں ڈوبنے اور ہپ ہپ کرنے لگے۔ اللہ میاں کو ان کی جان بچانا تھی۔ اسی وقت کچھ لوگ ادھر سے گذر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھ لیا، دوڑ کر تالاب میں کودے اور ہپّو میاں کو نکال لیا۔ ان کے گھر پہنچایا۔ گھر والوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہپّو میاں کی جان بچ گئی۔

ہپّو میاں کو یہ نصیحت ہو گئی تھی کہ پیڑ پر دیکھ بھال کر چڑھنا چاہیئے۔ اور یہ ہے بھی خطرے کی بات۔ تو اب جب ہپّو میاں جامن کھانے جاتے تو پیڑ کے نیچے پڑی ہوئی جامنیں کھاتے۔ برسات میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس پیڑ میں جامنیں زیادہ آتی

ہیں۔اس کے نیچے بڑی گندگی ہوتی ہے۔نہ جانے کتنی جامنیں زمین پر پڑی نظر آتی ہیں۔نہ جانے کتنی پیڑ کے نیچے پڑی پڑی سڑا کرتی ہیں۔ان جامنوں پر بھڑیں بیٹھی ہوتی ہیں۔

اچھا تو، ہپّو میاں ایک ایسے ہی پیڑ کے نیچے پہنچے۔انھیں جوتا پہننے کی بھی عادت نہیں تھی۔ننگے پاؤں ہی پہنچے اور پیڑ کے نیچے پڑی ہوئی اپنے پسند کی جامنیں اٹھا اٹھا کر کھانے لگے۔جامنوں کے کھانے کے شوق میں انھوں نے دیکھا نہیں ان کا پاؤں ایک بھڑ پر پڑ گیا۔بھڑ نے ان کے پاؤں میں ڈنک مار دیا۔بھڑ کا ڈنک مارنا تھا کہ وہ چیخ اٹھے، اور بھڑ کے زہر نے اتنا اثر کیا کہ ہپّو میاں زیادہ دور چل نہ سکے۔تھوڑی دور چل کر گر گئے۔گھر والوں کو خبر ہوئی۔سب دوڑ کے گئے۔ہپّو میاں کو اٹھا کر لائے۔کسی نے سرکہ بھی لگایا......۔مطلب یہ کہ جو کچھ بھی جس نے بتایا وہ سب دوا کے علاج کے طور پر کیا گیا۔مگر تین دن تک ہپّو میاں کا حال بہت ہی پتلا رہا۔تین دن کے بعد آرام ہوا، اور پھر انھیں جوتا پہننے کی عادت بھی ہوگئی۔

(۲)

ہپّو میاں میں کچھ اچھی عادتیں بھی تھیں اور کچھ بُری بھی۔ اُن میں ایک خرابی یہ تھی کہ کھانے کا انھیں بڑا ہوکا تھا۔ انھیں کھانے کے لئے جو چیز مل جاتی۔ وہ سب کی سب خود کھانے کے لئے سوچا کرتے۔ کیا مجال کہ اس میں سے ذرا بھی کسی کو دے دیں۔ ایک بار ان کی اس بُری عادت سے انھیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔

بات یہ ہوئی کہ ہپّو میاں ایک اسکول میں پڑھتے تھے اور اسکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے بھی تھے۔ ایک بار ان کے والدان سے ملنے بورڈنگ ہاؤس گئے۔ تو بہت سے خربوزے لیتے گئے۔ خربوزے ہپّو میاں کو دیئے اور کہا۔ ''لو بھئی یہ خربوزے تم بھی کھانا اور اپنے دوستوں کو بھی کھلانا یہ سب بچوں کے لئے تحفہ ہے۔

اب ہپّو میاں کی سنئے۔ انھیں تو کھانے کا بڑا ہوکا تھا۔ انھوں نے خربوزے چھپا کر رکھ لئے۔ اب جب موقع پاتے، دو چار خربوزے نکال کر چٹ کر جاتے۔ ہپّو میاں کہاں تک اکیلے کھاتے۔ تیسرے دن خربوزے خراب ہو گئے۔ مگر ہپّو میاں بے دیکھے بھالے کھاتے رہے۔ وقت بے وقت چھپا کر کھاتے رہے۔ تاکہ کوئی لڑکا دیکھ نہ لے، انھوں نے سڑے گلے خربوزے کھائے تو انھیں بدہضمی ہوگئی۔ دست جاری ہو گئے۔ جان کے لالے پڑ گئے۔ اب ڈاکٹر بلایا گیا۔ اس نے دیکھا بھالا تو کہا کہ ہپّو میاں نے کوئی سڑی گلی چیز کھائی ہے۔

خیر...... ڈاکٹر تو دوا دے کر چلا گیا۔ اب بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ (نگراں اور دیکھ بھال کرنے والے) نے ہپّو میاں کے سامان کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی تو ان کے بکس کے اندر سڑے گلے خربوزے ملے۔ خربوزوں میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے سارے خربوزے پھینکوا دیئے۔ اور کمرے اور سامان کی صفائی کر دی۔

خدا خدا کر کے وہ اچھے ہوئے۔ اچھے ہونے کے بعد ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے سارا حال بتایا اور اپنی عادت سے توبہ کی۔

(۳)

ہپّو میاں میں کچھ بُری عادتیں تو تھیں۔ لیکن ان میں یہ بڑی اچھی بات تھی کہ وہ اپنی امّی جان کا کہنا ضرور مانتے تھے۔ بچپن میں بھی وہ امّی جان کا کہنا مانتے تھے۔ اور جب بڑے ہوئے تب بھی۔ امی جان کا کہا ماننے کے سلسلے میں ہپّو میاں کی بہت سی باتیں مشہور ہیں۔

یہ تو آپ پڑھ چکے کہ ہپّو میاں کھانا خوب کھاتے تھے۔ وہ بچپن ہی میں بڑوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ کھاتے تھے۔ ان کو کشتی لڑنے کا بھی شوق تھا۔ وہ ڈنڈ پیلتے تھے۔ بیٹھک لگاتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ جو کچھ کھاتے سب ہضم ہو جاتا۔ کھانا ہضم ہو جانے سے ان کی تندرستی بڑی اچھی تھی۔ اور ان میں

بڑی طاقت تھی۔ محلے کا کوئی لڑکا ان سے کشتی میں جیتتا نہیں تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ ایک لڑکے سے ان کی لڑائی ہوگئی۔ ہپّو میاں نے اسے پٹک دیا اور خوب پیٹا۔ اس وقت ہپّو میاں کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔

اس لڑائی کا حال ان کی امّی نے سنا۔ انھوں نے ہپّو میاں کو سمجھایا۔ ''بیٹا! تم نے اس لڑکے کو مارا۔ یہ تم نے بڑی بُری بات کی۔ اللہ نے تم کو جو طاقت دی ہے۔ اُسے تو تم کسی ایسے کام میں لگاتے جس کے کرنے سے اللہ خوش ہوتا۔ کسی غریب کا کام کر دیتے۔ کسی چور ڈاکو کا مقابلہ کرتے تو ٹھیک بھی تھا۔ اس کمزور لڑکے کو پیٹنے سے تم کو کیا ملا۔ آج تو تم شیطان کے بہکانے میں آ گئے۔

امّی کی یہ نصیحت ہپّو میاں کے دل میں بیٹھ گئی۔ پھر تو یہ حال ہو گیا کہ ہپّو میاں پر محلے کا کوئی لڑکا کتنی ہی زیادتی کرتا وہ صبر کرتے۔

ایک دن ہپّو میاں ایک مولوی صاحب کا وعظ سننے گئے۔

مولوی صاحب نے وعظ میں شیطان کا ذکر کیا تو وعظ کے بعد ہپّو میاں نے مولوی صاحب سے پوچھا:

''مولوی صاحب! شیطان ہوتا کہاں ہے؟''

مولوی صاحب نے یہ سنا تو مسکرائے اور ہپّو میاں سے پوچھا۔ ''کیا کروگے شیطان کو؟''

بولے۔ ''میں اسے پیٹوں گا۔ وہ سب کو بہکاتا ہے اور برے کام کرتا ہے۔''

مولوی صاحب نے ہپّو میاں کی بھولی بھالی باتیں سنیں تو انھیں بڑا مزہ آیا اور کہا:

''ہپّو میاں شیطان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو لوگوں کے دلوں میں بیٹھے بیٹھے برے کاموں کے لئے بہکایا کرتے ہیں کہ نماز پڑھ کر کیا کروگے۔ بس چین سے سوتے رہو۔ یا فلاں کا مال چرالو، یا چلو ناچ رنگ دیکھو۔ ہپّو میاں! ایسا شیطان تمہارے اندر بھی ہے۔ اسے پیٹنا ہے تو جب تمہارا دل برائی کے لئے کہے تو تم نہ کرو۔ بس سمجھو کہ چت کردیا۔

دوسرے قسم کے شیطان خود انسانوں میں ہوتے ہیں۔ جو لوگ دوسرے انسانوں کو بری باتیں کرنے کو کہتے ہیں اور خود کرتے بھی ہیں، وہ شیطان ہی ہوتے ہیں۔ ایسے شیطان تم کو جگہ جگہ مل سکتے ہیں۔ تم جس کو ڈاکہ مارتے دیکھو، تم جس کو چوری کرتے دیکھو، تم جس کو نماز پڑھنے سے روکتے دیکھو اسی طرح کے برے کام کرتے یا کراتے جس کسی کو دیکھو بس سمجھو وہ شیطان ہے، اس سے بچو۔

مولوی صاحب کی بات ہپّو میاں نے کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔ وہ رہے شیطان کی تلاش میں۔ ایک دن اُن کے دل نے کہا۔ ''ہپّو میاں! اکبر کی مرغی مار کر کھا جاؤ۔ اکبر تمہارا کیا کر لے گا۔ تم تو بڑے طاقت ور ہو، اکبر تم سے کب جیتے گا۔''

دل میں یہ بات آتے ہی ہپّو میاں نے لاحول پڑھی اور دل کا کہنا نہ مانا۔ وہ سمجھ گئے کہ ان کے اندر بیٹھا ہوا شیطان بہکا رہا ہے۔ گھر جا کر امّی جان سے یہی بات کہی، وہ بہت خوش ہوئیں

اور کہا۔ ''بیٹا! اس دل کے اندر والے شیطان سے ہوشیار رہنا۔ یہ بار بار بہکاتا ہے۔تم بار بار اسے چت کرنا۔

اب سنئے۔ ایک دن ان کا سامنا اس شیطان سے ہو گیا جو انسان کی شکل میں ہوتا ہے۔ ہوا یہ کہ محلے میں امیر خاں کے گھر ڈاکہ پڑا۔ امیر خاں نے شور مچایا تو ڈاکو مال لے کر بھاگے۔ رات کا وقت تھا۔ ایک ڈاکو ایک بکس لے کر ہپّو میاں کی جھونپڑی کی طرف نکلا۔شور سن کر ہپّو میاں جاگ اٹھے۔ لاٹھی لے کر گھر سے نکلے۔ دیکھا تو ایک ڈاکو بکس لئے بھاگا جا رہا ہے۔بس ہپّو میاں سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے۔ بڑھ کر ایک لاٹھی اس ڈاکو کے ٹخنے پر ماری۔ڈاکو ہائے کہہ کر گرا۔گرا تو وہ نیچے اور بکس اس کے اوپر۔ہپّو میاں نے یہ دیکھا تو اوپر سے دو ایک اور جمائیں اور شور مچا دیا۔ ''دوڑیو...... دوڑیو۔''لوگ دوڑ پڑے اور ڈاکو کو پکڑ لیا۔سب نے ہپّو میاں کو بڑی شاباشی دی۔ اس دن سے ہپّو میاں کی ہمت اور بڑھ گئی۔

(۴)

ہپّو میاں کو جب تک دو پیسے روز گھر سے ملتے رہے ان کے والد نے کچھ خیال نہیں کیا۔ لیکن دو پیسے سے دو آنے اور پھر دو آنے سے چار آنے ملنے لگے۔ تو ایک دن انھوں نے ہپّو میاں کی والدہ کے سامنے اچھا خاصا وعظ کہہ ڈالا۔

''خیر، دو پیسے روز کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ میں سوچتا تھا کہ انٹرول میں سب بچے دو ایک پیسے کی چیز لے کر کھاتے ہوں گے۔ اپنا بچہ کیوں کسی کا منہ تکتا پھرے۔ لیکن یہ جواب تم چار آنے روز دیتی ہو۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ بچوں کو کیا۔ انھیں چار روپئے روز دے دو۔ سب خرچ کر ڈالیں گے۔ کہیں یہ چیز لی کہیں وہ چیز خریدی۔ اور پھر بھی کچھ بچ رہا تو یار دوستوں میں خرچ کر ڈالا۔

ہپّو میاں کی ماں تم کو معلوم ہے کہ بچوں کو جیب خرچ کے لئے پیسے دینے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ دیکھو! بچے گھر سے باہر من مانی چیز لے کر کھاتے ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ کیا چیز فائدے کی ہے اور کون سی نقصان کی۔ انھیں تو بس مزے دار چیز ہو۔ وہ چاٹ کھائیں گے۔ آئس کریم کھائیں گے، سڑی بسی مٹھائیاں اچار اور کھٹائیاں کھائیں گے۔ اس طرح چٹورے ہو جائیں گے۔ پھر جب بیمار پڑیں گے تو علاج میں پیسہ پانی کی طرح بہانا ہوگا۔

میں نے ایسے بہت سے بچوں کو دیکھا ہے۔ آخر میں وہ سب چٹورے ہی ہو گئے۔ وہ اپنے گھروں سے زیادہ سے زیادہ پیسے لینے کی سوچنے لگے۔ جھوٹ بول بول کر ماں باپ سے کہا۔ ''آج کاپی لینا ہے، پرسوں پنسل گم ہو گئی، وغیرہ۔

اس طرح تو سیکھا جھوٹ۔ مگر سوچو تو کوئی کہاں تک دے گا۔ ماں باپ تو اتنے ہی پیسے دے سکیں گے۔ جتنے اپنی کمائی سے دے سکتے ہیں۔ اچھا تو پھر اب جو پیسے نہ ملے تو

سوجھی چوری کی۔ نالائق لڑکے جُوا بھی سکھا دیتے ہیں۔ لالچ میں آکر بچہ داؤں لگاتا ہے کہ شاید اب کے داؤں نکل آئے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارے پیسے جوئے کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اس کے بعد چوری سوجھتی ہے۔ اور پھر بچّے کو ٹھیک کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ہپّو میاں کی ماں! دیکھا تم نے جیب خرچ کے پیسوں سے بچے میں کیسی کیسی بُری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شریف آدمی کب چاہتے ہیں کہ ان کا بچّہ ایسا بنے۔ اسی لئے وہ بچوں کے لئے خود بازار سے خرید کر چیز لاتے ہیں۔ میرا کہا مانو تو ایسا کرو کہ ہپّو میاں کو جس طرح تم دو پیسوں سے دھیرے دھیرے چار آنے دینے لگیں، اسی طرح چار آنوں سے دھیرے دھیرے کم کر کے پھر وہی دو پیسے دو۔“

ہپّو میاں کے والد صاحب کی یہ باتیں ہپّو میاں کی والدہ کی سمجھ میں آگئیں۔ دوسرے دن جب ہپّو میاں مکتب جانے لگے تو انھوں نے ماں سے چار آنے مانگے۔ ماں نے تین آنے ہاتھ پر

رکھ دیئے۔ ہپّو میاں ماں کا منھ دیکھنے لگے۔ ماں نے کہا۔ ''بیٹا! آج تین آنے ہی خرچ کرنا۔'' خیر ہپّو میاں نے ضد نہیں کی۔ تیسرے دن دو آنے اور چوتھے دن جب ایک آنا ملا تو ہپّو میاں نے کہا۔ ''میں تو چار آنے لوں گا۔'' لیکن ماں نے دینے سے انکار کر دیا تو وہ آنسو بہانے لگے اور لڑکپن کا داؤں کیا۔ ''اچھا تو میں اسکول نہیں جاتا۔

ماں بیٹے میں پیسوں کے لئے یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ ہپّو میاں کے والد آ گئے۔ انھوں نے دیکھا تو ہپّو میاں کے ہاتھ میں ایک روپیہ تھما دیا۔ ہپّو میاں خوش ہو گئے اور جھٹ مکتب چلے گئے۔

یہاں ہپّو میاں کی والدہ نے ان کے والد سے کہا۔ ''آپ نے مجھے تو منع کیا کہ صرف دو پیسے دو اور خود ایک روپیہ دے دیا۔ یہ تو کچھ اچھی بات نہ ہوئی۔''

ہپّو میاں کے والد نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ بچے میں بُری عادتیں پیدا ہو گئیں۔ آج مجھے ایک لڑکے سے معلوم ہوا

کہ ہپّو میاں گھسیاری منڈی کی پتلی گلی میں جاتے ہیں۔''

یہ باتیں سن کر مجھے بڑی فکر ہوگئی۔ یہ گلی تو چوروں اور جواریوں کا اڈّا ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ پتلی گلی میں کس کے گھر جاتا ہے۔ اچھا خیر آج موقعہ پر جا پکڑوں گا اور پھر اس کی عادتیں سدھارنے کی کوئی ترکیب کروں گا۔ آج میں نے اسی لئے تو روپیہ دیا ہے۔ سمجھیں ہپّو میاں کی ماں تم!

ہپّو میاں کے والد نے کھانا کھایا اور انٹرول سے پہلے ہی پتلی گلی کی ایک دوکان پر تاک میں بیٹھ گئے۔ ساڑھے بارہ بجے انھوں نے دیکھا کہ آج ہپّو میاں بڑے خوش خوش لپکتے آئے اور جھٹ پتلی گلی میں گھس گئے۔ یہ دیکھتے ہی ان کے والد بھی پتلی گلی میں ان کے پیچھے چلے۔ ہپّو میاں جھٹ ایک گھر میں گھس گئے اور ان کے والد دروازے پر جا کھڑے ہوئے اور کان لگا کر ٹوہ لینے لگے۔ ہپّو میاں نے اندر کسی سے کہا۔ ''لیجئے یہ روپیہ رکھ لیجئے اور بتایئے آپ کو کیا ضرورت ہے؟ ہپّو میاں کے یہ پوچھنے پر ایک

بوڑھی عورت کی آواز آئی۔ ''بیٹا! یہ بتاؤ آج تم یہ روپیہ کہاں سے لائے؟''

ہپّو میاں: آپ اطمینان رکھئے۔ میں نے چوری نہیں کی۔ آج مجھے ابّا جان نے یہ روپیہ دیا ہے۔

وہی آواز: مگر بیٹا! اب تو تم اپنے ماں باپ کو ضرور بتادو کہ تم اپنے پیسے کہاں خرچ کرر ہے ہو؟

ہپّو میاں: لیکن میں نے پڑھا ہے کہ نیکی کر کے کسی سے بتا دیں تو ثواب کم ہو جاتا ہے۔

وہی آواز: ہاں بیٹا! ہے تو یہی بات لیکن ماں باپ سے چھپانا ٹھیک نہیں ہے۔

ہپّو میاں کے والد یہ باتیں سنتے رہے۔ وہ سمجھ گئے کہ ہپّو میاں جو پیسے پاتے ہیں۔ ان سے اس بے کس اور بوڑھی عورت کی مدد کرتے ہیں اور اپنے لئے ایک پیسے کی بھی کوئی چیز نہیں لیتے۔

اس بات سے ہپّو میاں کے والد بہت خوش ہوئے اور کچھ

کہے بغیر وہاں سے چلے آئے اور بیوی کو سارا حال سنایا۔ اور کہا میں نے کیا سمجھا تھا اور کیا نکلا۔ دوسرے دن ہپّو میاں کو پانچ روپیہ کا نوٹ دیا اور بارہ بجے بیوی کو ساتھ لیا۔ ایک تانگے میں بیٹھ کر بوڑھی عورت کے گھر گئے۔ بیوی کو بوڑھی عورت کے گھر چھوڑا اور خود چلے گئے۔

ہپّو میاں ابھی آئے نہیں تھے۔ وہ جب روز کی طرح ساڑھے بارہ بجے آئے اور اندر ایک قدم رکھا تو ہکّا بکّا ہو کر رہ گئے۔ لیکن پھر ہپّو میاں نے سنبھل کر کہا:

''امّی جان! دنیا میں اللہ کے سوا اِن کا کوئی سہارا نہیں۔''

وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ ان کی ماں نے کہا۔ ''ہاں مجھے معلوم ہو چکا ہے اور میں ان کو لینے آئی ہوں۔ تم ان سے کہو کہ یہ ہمارے گھر چلیں۔

اچھا اب تم مکتب جاؤ۔ میں ان کو گھر لئے جاتی ہوں۔

یہ سن کر ہپّو میاں پھولے نہ سمائے۔ تیسرے پہر جب ہپّو میاں گھر آئے تو ان کے ابّا جان نے انھیں گلے سے لگا لیا اور کہا:

"بیٹا! تم اگر ان بڑی بی کا حال بتا دیتے تو آج سے بہت پہلے ان کے آرام کا انتظام ہو جاتا۔ بیٹا! ماں باپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہئے۔ ماں باپ تو ہر حال میں اولاد کی مدد کرتے ہیں۔"

اس بات کے بعد ہپّو میاں جب کوئی نیک کام کرتے یا نیک کام کرنے کا ارادہ کرتے تو اور کسی سے تو نہیں کہتے لیکن ماں باپ کو ضرور بتا دیتے۔

(۵)

سب پک نِک کو گئے تھے۔ ماسٹر صاحب ساتھ تھے۔ دوپہر تک خوب سَیر کی۔ پھر کھانا کھایا۔ ذرا ٹھہرے۔ ظہر کی نماز پڑھی اب واپس ہوئے۔ ماسٹر صاحب نے ٹولیاں بنا دی تھیں۔ سب اپنی ٹولی کے ساتھ چلے۔ ہپّو میاں کی ٹولی میں ایک چھوٹا بچّہ شوکت بھی تھا۔ شوکت کے ٹھوکر لگی۔ گر پڑا۔ پیر میں بڑی چوٹ آئی خون بہنے لگا۔ بے چارہ شوکت رونے لگا۔

ہپّو میاں کی ٹولی سب سے پیچھے تھی۔ اس ٹولی میں چار لڑکے تھے۔ شوکت کے چوٹ لگنے سے یہ چاروں ٹھہر گئے۔ ذرا دیر میں آگے والی ٹولیاں بہت آگے ہو گئیں۔ اب یہ سب بڑے گھبرائے۔ چاہا کہ ماسٹر صاحب کو پکاریں مگر ہپّو میاں نے ہمت کی۔ جیب سے رومال نکالا۔ پھاڑ کر شوکت کے پیر میں باندھا۔ خون رُک گیا۔ پھر شوکت کو کاندھے پر لا دلیا۔ باقی دو بچوں نے ہپّو میاں کی مدد کی۔

تھوڑی دور چل کر ماسٹر صاحب کو خیال آیا۔ مڑ کر دیکھا۔ ''ارے یہ کیا؟'' اُن کی زبان سے نکلا اور سب لڑکے پیچھے دیکھنے لگے۔ پھر دوڑ کر پاس گئے۔ حال پوچھا۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔

''ارے میاں پکار کیوں نہ لیا؟ ہم سب رُک جاتے۔''

ہپّو میاں نے جواب دیا۔

''آپ ہی نے بتایا تھا کہ جو دوسروں کی مدد کرتا ہے اللہ

اس کی مدد کرتا ہے۔ دیکھئے میں شوکت کو لادے ہوں، مگر ذرا نہیں تھکا۔ میرے سب ساتھی بھی مدد کر رہے ہیں۔

ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ پھر کہا۔ ''اچھا بھائی! اب بڑے لڑکوں کو بھی موقع دو۔ وہ اپنے بھائی کی مدد کر کے اللہ کو خوش کریں۔''

ہپّو میاں نے ماسٹر صاحب کا کہنا مان لیا۔ بڑے لڑکوں نے بھی شوکت کو باری سے لادلیا۔ مدرسے لے جا کر دوا لگا دی گئی۔

دو تین دن میں شوکت کی چوٹ اچھی ہوگئی۔ مگر بہت دنوں تک جب پِک نِک کی بات آتی تو لڑکے کہتے۔ ہپّو میاں شوکت کو لادلائے۔ پھر سب بہت خوش ہوتے۔

☆☆☆